© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلسِ تفسیر، کراچی جلد ۹ شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

حیاتِ دنیا کے حوادث اور مؤمنانہ طرزِ عمل

(سورۃ الحدید آیات ۲۲ تا ۲۴ کی روشنی میں)

انجینئر نوید احمد

Abstract

Demeanor of a Mo'min During Incidents of Worldly Life (vis-à-vis Surah AlHadeed Ayaat 22 to 24)

Every person goes through various incidents and ever-changing situations in worldly life. There are occurrences of mishaps or blissful events. Allah (swt) has created three dimensions, the first one is our worldly dimension, the second is a heavenly dimension and the third one is a dimension of Hell. Heaven is an abode of of eternal comfort, contrary to Hell which is a place of eternal sufferings. The worldly dimension is a mix of bliss and miseries and they are in parallel to each other. At times a Mo'min and a non-believer can take the rap of these two

opposing circumstances. A responsive reaction to these circumstances is something which differentiates a Mo'min from a non-believer and that is how it should be. The triad of Muslim belief is on almighty Allah(swt), on hereafter and on a fate, predestined by Allah (swt), however a non-believer is deprived of such blessings. The belief in Allah (swt) and the predestined fate brings an inner peace and solace to a Muslim, since Eemaan, the Arabic equivalent of belief means to give Aman (which means peace in Arabic). A Mo'min neither goes into a continuous state of melancholia or apathy, nor is he overrun by an utter dejection, which may lead him to a state of everlasting despair. How a Mo'min should carry himself in situations of worldly mishaps? Qur'aan and books of Ahadith give us an in-depth guidance in this regard. In the following article this guidance vis-à-vis Ayaat 22 to 24 of Surah AlHadeed and few Ahaadith is submitted.

حیاتِ دُنیوی کے دوران ہر انسان کو مختلف حوادث اور بدلتے ہوئے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ تکلیف دہ واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں اور مسرت بخش لمحات بھی آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تین عالم بنائے ہیں۔ ایک یہ دنیا کا عالم ہے، دوسرا عالم جنت ہے اور تیسرا عالم جہنم۔ جنت ایسا عالم ہے جہاں راحتیں ہی راحتیں ہیں۔ جہنم ایسا عالم ہے کہ جہاں پر تکالیف ہی تکالیف ہیں۔ عالمِ دنیا میں راحتیں بھی ہیں اور تکالیف بھی۔ دونوں چیزیں ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ چلتی ہیں ۔ تکلیف یا راحت مسلمان کو بھی پہنچتی ہے اور کافر کو بھی ۔ البتہ اس حوالے سے ایک مسلمان اور ایک کافر کے ردِ عمل میں فرق ہونا چاہیے ۔ اس لیے کہ مسلمان اللہ ' آخرت اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہے جبکہ کافر اس نعمت سے محروم ہے ۔ حیاتِ دنیا کے حوادث پر مؤمنانہ طرزِ عمل کے حوالے سے سورۃ الحدید کی آیات ۲۲ تا ۲۴ میں ایمان افروز رہنمائی دی گئی ہے ۔

آیت ۲۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ۭ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴾

''نہیں پڑتی کوئی آفت زمین پر اور نہ ہی خود تم پر مگر ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے ظاہر کریں ۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے ۔''

اس آیت میں حوادث کے لیے لفظ '' مصیبت '' آیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں وارد ہونے والی شے خواہ وہ خوشگوار ہو یا تکلیف دہ ۔ عام طور پر تکلیف دہ معاملہ کا انسان زیادہ تاثر لیتا ہے لہٰذا '' مصیبت '' کا لفظ اکثر صرف اسی صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ خوشگوار یا تکلیف دہ حوادث زمین پر بھی وارد ہوتے ہیں اور کسی انسان پر بھی ۔ زمین پر اس کی صورت بارانِ رحمت ' فرحت بخش ہواؤں اور اچھی فصلوں یا زلزلے ' طوفانی بارشوں ' ژالہ باری ' سیلاب ' سمندری طوفان ' تیز ہواؤں ' خراب فصلوں وغیرہ کی ہوتی ہے ۔ انسان پر اس کا ورود کامیابیوں یا ناکامیوں ' مال و جان کے نقصان اور بیماریوں کی صورت میں ہوتا ہے ۔ اس آیت میں رہنمائی عطا کی گئی ہے کہ :

۱) زمین اور انسانوں پر وارد ہونے والے حوادث اللہ کے حکم سے وارد ہوتے ہیں ۔ کائنات کی تخلیق اور اس میں جاری مختلف معاملات کسی اندھے بہرے مادّہ کی کار فرمائی نہیں ہیں ۔ ایک حکیم و دانا ہستی اس کائنات کی خالق ہے ۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے اذن سے ہو رہا ہے ۔ دنیا میں نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ ' جب تک اللہ کا اذن نہ ہو ۔ ترمذی میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تاکید فرمائی :

((اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰہَ ' وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ

اجْتَمَعَتْ عَلٰٓی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰہُ لَکَ ' وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰہُ عَلَیْکَ ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) (۱)

'' جب تو سوال کرے تو صرف اللہ سے سوال کر ' جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر ' اور یہ بات جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا ' اور اگر وہ جمع ہو کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے طے کر دیا ۔ قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں ''۔

ہر واقعہ کے پیچھے بظاہر کچھ اسباب نظر آتے ہیں لیکن اسباب کی کوئی حقیقت نہیں ۔ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہے ۔ جو بھی حالات وارد ہو رہے ہیں اُن میں بظاہر کوئی بھلائی یا برائی اپنے لیے کما رہا ہے لیکن ان کے پیچھے اصل عامل حقیقی صرف اور صرف اللہ ہے ۔ ممکن ہے کہ کسی ڈاکٹر نے غلط انجکشن لگا دیا ہو ' ممکن ہے کہ کسی نے وار کیا ہو اور انسان اُس وار سے ہلاک ہو گیا ' لیکن یہ سب کا سب ہو نہیں سکتا تھا جب تک اللہ تعالیٰ کا اذن نہ ہو ۔ موت کا وقت اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے ۔ جب تک موت کا وقت نہ آئے ' انسان مر نہیں سکتا ۔ حضرت علیh کا بڑا حکیمانہ قول ہے :

اَلْمَوْتُ خَیْرُ الْحَافِظَةِ وَالْمَوْتُ خَیْرُ الْوَاعِظَةِ

'' موت بہترین محافظ ہے اور موت ہی بہترین واعظ ہے ۔''

موت محافظ اس معنی میں ہے کہ اس کا وقت طے ہے لٰہذا جب تک اس کا وقت نہیں آتا ' کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ موت بہترین واعظ ہے ' یعنی اگر انسان کو موت یاد رہے تو پھر اُس کی زندگی کا رُخ صحیح ہو جاتا ہے ۔

۲) جو واقعات بھی ظہور پذیر ہو رہے ہیں وہ پہلے سے ایک کتاب یعنی کتابِ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں ۔ بظاہر یہ معاملہ مشکل نظر آتا ہے لیکن واضح کیا گیا کہ : ﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ﴾ '' بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے ''۔ اگر اللہ کی ذات و صفات کی بے حد و حساب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسعت سامنے ہو تو اس حوالے سے کوئی تعجب نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دو حقائق سامنے ہوں تو اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوتا ہے وہ آیت ۲۳ میں بیان ہوا :

﴿لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىکُمْ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾

''تاکہ تم افسوس نہ کرو اُس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اتراؤ اُس پر جو تم کو وہ (اللہ) عطا کرے' اور اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو۔''

مسلمان جب اس حقیقت پر غور کرتا ہے کہ ہر معاملہ اللہ ہی کے حکم سے ظہور پذیر ہوا اور کتابِ تقدیر میں وہ پہلے ہی سے درج تھا تو اب نہ وہ ناخوشگوار حالات پر شدتِ غم سے نڈھال ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کامیابی پر اتراتا اور اکڑتا ہے۔ اس کی وجہ مذکورہ بالا دو نکات کے حسب ذیل مضمرات ہیں :

۱) عام آدمی کو اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اسے کسی دیوتا کی ناراضگی یا اسباب کے مخالف ہونے کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اگر اُسے کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے تو اسے کسی دیوتا کی نظرِ کرم یا اسباب کے موافق ہونے کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔ کسی بھی واقعہ کے ظہور کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ ہدایت کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی کے مطابق ہر نعمت اللہ دیتا ہے اور تکلیف بھی وہی دیتا ہے۔ خیر ہو یا شر' خوشگوار حالات ہوں یا ناگوار' جو بھی ہے مِن جانب اللہ ہے۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوا' لہٰذا نقصان کی صورت میں اسباب کے خلاف پیچ و تاب اور انتقام کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی خیر ملی ہے تو وہ اللہ کا فضل ہے نہ کہ انسان کا اپنا کمال۔ لہٰذا انسان میں نہ تکبر کا احساس پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اتراتا اور اپنی بڑائی کرتا ہے۔

۲) اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے تمام معاملات پہلے ہی سے طے شدہ اور علمِ خداوندی میں موجود ہیں۔ لہٰذا یہاں کوئی واقعہ ممکن ہے ہمارے لیے حادثہ ہو' در حقیقت حادثہ نہیں

ہے۔ کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ جو تکلیف آئی ہے وہ اپنے طے شدہ وقت پر آنی ہی تھی اور تقدیر میں لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۳) اللہ کے ہر فیصلہ میں ضرور کوئی خیر پوشیدہ ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

''کہو کہ اے اللہ (اے) بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے' اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے' ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

ہم اپنے ناقص علم کی وجہ سے اللہ کے فیصلہ کے خیر کے پہلو کو سمجھ نہیں سکتے لیکن اللہ کے فیصلہ میں ضرور ہماری بہتری ہوتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ)

''تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو' ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو' اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو' اور اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔''

سورۃ التوبہ میں منافقین کو اہلِ ایمان کی طرف سے آگاہ کیا گیا:

﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ج ھُوَ مَوْلٰىنَا ج وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ ط وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِکُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِہٖٓ اَوْ بِاَیْدِیْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

’’(اے نبیؐ) کہہ دیجیے ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ کہہ دیجیے کہ تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی، اور ہم تمہارے حق میں منتظر ہیں کہ بھیجے اللہ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔‘‘

حدیث مبارکہ ہے: ((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذَاکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّآءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ)) (۲)

’’مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اُس کے ہر معاملے میں خیر ہے اور یہ چیز مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اُسے نعمت ملے وہ شکر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے، اور اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے وہ صبر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہماری مصلحتوں کا ہم سے بہتر جاننے والا ہے۔ بقول شاعر:

کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

’’ہمارا کارساز ہمارے مسائل کے حل کا دھیان رکھتا ہے۔ ہمارا بذاتِ خود اپنے مسائل کے حل کے بارے میں متفکر ہونا ہمیں پریشان کر دیتا ہے۔‘‘

ہمیں اس دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اگر ہم نے اُس پر صبر کیا تو وہ روزِ قیامت ہمارے گناہوں کا کفارہ اور ہمارے حق میں باعثِ اجر و ثواب ہوگی۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں:

((مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّصِبْ مِنْہُ)) (۳)

’’جس بندے کے بارے میں اللہ خیر کا فیصلہ فرماتا ہے اُسے مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔‘‘

((اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (۴)

’’جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کو (اُس کے گناہوں کی سزا) جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اور آزمائشوں کے ذریعے سے اُس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے) اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے اُس کے گناہ کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت والے دن اُس کو پوری سزا دے گا‘‘۔

نبی اکرمﷺ نے مزید فرمایا:

((اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاھُمْ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَہُ السَّخَطُ)) (۵)

’’آزمائش جتنی عظیم ہوگی بدلہ بھی اسی قدر عظیم ہوگا، اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اُس کو آزمائش سے دوچار فرما دیتا ہے، پس جو (اُس سے) راضی ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) رضا ہے اور جو (اُس آزمائش کی وجہ سے اللہ سے) ناراض ہوتا ہے اُس کے لیے (اللہ کی) ناراضی ہے۔‘‘

((یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّہٗ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَہٗ اِلَّا الْجَنَّۃُ)) (۶)

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں جب اپنے مومن بندے کے اہلِ دنیا میں سے کسی پیارے کو واپس لے لیتا ہوں لیکن وہ اُس پر ثواب کی نیت (سے صبر و رضا کا مظاہرہ) کرتا ہے تو اُس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے۔‘‘

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

((مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ)) (۷)

’’مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔‘‘

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ یَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهِ اَوْ فِیْ مَالِهِ اَوْ فِیْ وَلَدِهِ ـــــ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ زَادَ ابْنُ نُفَیْلٍ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلٰی ذٰلِکَ ثُمَّ اتَّفَقَا ـــــ حَتّٰی یُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی)) (۸)

’’کسی بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہوجاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل (مجاہدے) سے نہیں پاسکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ یا پریشانی (غیر اختیاری مجاہدے) میں مبتلا کردیتا ہے، پھر اُس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ اُسے اُس بلند مقام پر پہنچادیتا ہے جو اُس کے لیے پہلے سے طے ہوچکا ہوتا ہے‘‘۔

سورۂ کہف میں ایک قصہ کے ذریعہ واضح کیا گیا کہ واقعات کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے لیکن اُن کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ اس قصہ میں تین واقعات ایسے آئے ہیں کہ جن کا ظاہر شر محسوس ہورہا تھا لیکن اُن کی حقیقت خیر تھی۔ حضرت موسیٰ d، حضرت خضر d کے ساتھ ایک کشتی میں سفر کررہے تھے۔ حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر پھینک دیا۔ بظاہر یہ کام ظلم تھا لیکن حضرت خضرؑ نے وضاحت کی کہ ایک بادشاہ صحیح سالم کشتیوں کو غصب کررہا تھا۔ اگر یہ کشتی سالم ہوتی تو بادشاہ چھین لیتا۔ گویا ایک تختہ ضائع ہوگیا لیکن پوری کشتی بچ گئی۔ اس کے بعد ایک بچے کو حضرت خضرؑ نے قتل کردیا۔ بظاہر یہ قتل ناحق تھا لیکن حضرت خضرؑ نے بتایا کہ اس بچے نے بڑے ہوکر اپنے والدین کے لیے وبالِ جان بننا تھا۔ وہ اپنا بھی نامۂ اعمال سیاہ کرتا اور والدین کو بھی پریشان کرتا۔ اللہ تعالیٰ والدین کو اس سے بہتر بچہ عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد

حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں نے ان مسافروں کو کھانا کھلانے سے انکار کردیا۔ حضرت خضرؑ نے بستی میں ایک ایسی دیوار تعمیر کردی جو بالکل گرنے والی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ آپ نے بغیر معاوضے کے بخیل بستی والوں کا یہ کام کردیا۔ حضرت خضرؑ نے وضاحت کی کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کی وراثت ایک خزانہ کی صورت میں دفن ہے۔ اگر دیوار گرجاتی تو وہ خزانہ بخیل بستی والوں کے ہاتھ میں آجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ دیوار تعمیر کرادی تاکہ حق داروں کو اُن کا حق مل جائے۔ آخر میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میں نے سب کچھ اللہ کے حکم سے کیا اور یہ سب اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں۔

۴) اس دنیا کی ہر راحت یا تکلیف عارضی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل)

’’جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے (یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا)۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو اُن کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔‘‘

اگر کوئی شے ہم سے چھن گئی ہے تو اُس نے ایک روز فنا ہونا ہی تھا۔ دُنیوی زندگی تو ہے ہی بڑی محدود۔ اصل زندگی تو ہے ہی آخرت کی۔ انسان کی تمنا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ ہمیں آخرت کی نعمتیں عطا فرما۔ ہمیں اپنے مرنے والے عزیزوں کا جنت میں ساتھ عطا فرما۔ جنت کا ساتھ کبھی ختم ہونے والا نہیں اور دنیا کا ساتھ تو لازمی ختم ہوگا۔ آج اگر ہمارے کسی عزیز کا انتقال ہوا ہے تو اُس نے ایک روز مرنا ہی تھا اور ہمیں بھی کسی روز یہاں سے رخصت ہونا ہی ہے۔ اسی لیے مصیبت پر یہ کلمات پڑھنا مسنون ہے کہ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے)۔

ایک بادشاہ نے شاندار محل بنوایا اور ایک درویش کو اُس محل کے نظارہ کی دعوت دی۔ درویش نے تبصرہ کیا کہ اگر کسی طرح دو باتوں کا ازالہ ہوجائے تو پھر یہ محل بہت ہی عمدہ ہے۔ پہلی یہ کہ محل کے بارے میں ضمانت مل جائے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسری یہ کہ بادشاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلامت بھی ہمیشہ اس محل میں رہ سکیں گے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ محل یہیں رہے گا اور بادشاہ سلامت دنیا سے چلے جائیں گے اور یا بادشاہ سلامت کے سامنے کوئی آفت اس محل کو برباد کردے گی۔

۵) اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی ہمیں عطا ہی اس لیے کی ہے کہ وہ ہمارا امتحان لے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾ (الملك : ۲)

''اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے۔''

علامہ اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

تلاطم ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس دنیا میں انسان پر جو اچھے یا برے حالات آتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک امتحان وآزمائش کا ذریعہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ (الانبیاء)

''اور ہم تمہیں آزماتے ہیں شر اور خیر سے جو آزمائش کی صورتیں ہیں' اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔''

اس حقیقت کو بڑے مؤثر اسلوب میں بیان کیا گیا سورۃ الفجر کی آیات ۱۵ اور ۱۶ میں:

﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ. وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴾

''پس انسان (کا معاملہ عجیب ہے کہ) جب اُس کا پروردگار اُس کو آزماتا ہے تو اُسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اُس پر روزی تنگ کردیتا ہے تو یہ کہتا

ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔''

درحقیقت دنیوی زندگی میں نہ تو خوشحالی عزت کی علامت ہے اور نہ ہی تنگدستی ذلت کا مظہر۔ یہ دونوں صورتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں۔ اللہ ہر پہلو سے انسان کو جانچتا ہے۔ کبھی وہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی چھین کر۔ ایک شکر کا امتحان ہے اور دوسرا صبر کا۔ کبھی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا نہیں۔ کہیں عیش میں اللہ کو بھول تو نہیں جاتا۔ بقول شاعر: ؎

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا' وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا!

کبھی اللہ تعالیٰ تکلیف دیتا ہے یہ جانچنے کے لیے کہ بندہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ قرآن حکیم میں بار بار نیک بندوں کی صفات آئی ہیں صبار اور شکور۔ نعمتوں کے ملنے پر ہمیں شکر کرنا چاہیے اور تکلیف آنے پر صبر۔ مصائب پر شور و واویلا کرنے' مرثیہ پڑھنے اور اللہ سے شکوہ یا شکایت کرنے سے مرنے والے واپس نہیں آتے اور نقصانات کی تلافی نہیں ہوتی' لیکن ہم اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بعض خواتین غم کے موقع پر اس انداز سے مرنے والے کی باتیں یا د دلاتی ہیں یا نوحہ پڑھتی ہیں کہ اس سے صدمہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ عمل اللہ کو پسند نہیں' کیونکہ ایسا کرنا اللہ کے فیصلہ پر عدم اطمینان کا اظہار ہے۔ اس حوالے سے حضرت ابوموسیٰ h روایت کرتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ (۹)

''بے شک اللہ کے رسول ﷺ اُس عورت سے بیزار ہیں جو نوحہ کرنے والی' (مصیبت کی وجہ سے) سر منڈانے والی اور گریبان چاک کرنے والی ہو۔''

((اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ)) (۱۰)

''بین کرنے والی عورت' اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اُسے قیامت کے دن اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اُس پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی زرہ ہوگی۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

((اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ)) (١١)

"دو چیزیں لوگوں میں ایسی ہیں جو اُن کے حق میں کفر ہیں۔ نسب میں طعنہ زنی کرنا اور میت پر بین کرنا۔"

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) (١٢)

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخساروں کو پیٹا اور گریبانوں کو چاک کیا اور جاہلیت کے بول بولے (یعنی بین کیا)۔"

((عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ : اَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَنْ لَا نَنُوْحَ)) (١٣)

حضرت اُم عطیہ k بیان فرماتی ہیں کہ" رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت ہم سے یہ عہد لیا کہ ہم بین نہیں کریں گی۔"

عَنْ اُسَيْدِ بْنِ اَبِىْ اُسَيْدٍ عَنِ امْرَاَةٍ مِنَ الْمُبَايِعَاتِ قَالَتْ: ((كَانَ فِيْمَا اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْمَعْرُوْفِ الَّذِىْ اَخَذَ عَلَيْنَا اَنْ لَا نَعْصِيَهُ فِيْهِ اَنْ لَا نَخْمُشَ وَجْهًا وَلَا نَدْعُوَ وَيْلًا وَلَا نَشُقَّ جَيْبًا وَاَنْ لَا نَنْشُرَ شَعْرًا)) (١٤)

"حضرت اُسید بن ابی اُسید اُس عورت سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں میں سے تھی۔ اُس نے بیان کیا کہ وہ بھلائی کے کام جن کے کرنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا' اُن میں یہ عہد بھی تھا کہ ہم اللہ کی نافرمانی نہ کریں چہرہ نہ نوچیں' ہلاکت کی بددعا نہ کریں' گریبان چاک نہ کریں اور بال نہ بکھیریں۔"

پھر اصل صبر وہ ہے جو فوری طور پر کیا جائے ورنہ شکوے شکایات کرنے کے بعد صبر تو کرنا ہی پڑتا ہے اور اُس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ بیان ہوا :

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَاَةٍ تَبْكِىْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ: ((اِتَّقِى اللّٰهَ وَاصْبِرِىْ)) قَالَتْ:

اِلَيْكَ عَنِّىْ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِىْ ' وَلَمْ تَعْرِفْهُ ' فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ فَقَالَتْ: لَمْ اَعْرِفْكَ' فَقَالَ : ((اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى)) (١٥)

"نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا:" اللہ سے ڈر اور صبر کر"۔ اُس نے کہا: مجھ سے دور ہو جا! تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا (اس لیے فرطِ غم میں اُس نے نازیبا انداز اختیار کیا)۔ بعد میں اُسے بتلایا گیا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے۔ چنانچہ (یہ سن کر) وہ آپؐ کے دروازے پر آئی' وہاں دربانوں کو نہیں پایا' (آکر) اُس نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپؐ نے (اُسے پھر وعظ کرتے ہوئے) فرمایا:" صبر تو یہی ہے کہ صدمے کے آغاز میں کیا جائے (بعد میں تو صبر آ ہی جاتا ہے)۔"

۲) آخرت میں جواب دہی کے حوالے سے صبر کا امتحان شکر کے امتحان کے مقابلہ میں آسان ہے۔ وہ آزمائش نسبتاً آسان ہے جس میں اللہ نے کچھ چھین کر آزمایا ہو بجائے اس کے کہ اللہ نے کچھ دے کر امتحان لیا ہو۔ روزِ قیامت ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ کے مطابق ایک ایک نعمت کے حوالے سے جوابدہی کرنی ہوگی۔ زندگی' مال اور اولاد کے حوالے سے بازپرس ہوگی۔ اس دنیا میں ان نعمتوں کی جتنی فراوانی ہوگی اتنا ہی حساب دینا یعنی account for کرنا بھاری ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر انسان کے پاس دنیوی نعمتیں کم ہیں تو انسان کے لیے جوابدہی کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں :

((اِطَّلَعْتُ فِى الْجَنَّةِ فَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِى النَّارِ فَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ)) (١٦)

"میں نے جنت میں دیکھا تو اُس میں اکثر تعداد فقراء کی تھی اور جہنم میں دیکھا تو اُس میں اکثر تعداد عورتوں کی تھی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

((یَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّۃَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِخَمْسِ مِائَۃِ عَامٍ......)) (۱۷)

''فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو برس قبل داخل ہوں گے۔''

((یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ)) (۱۸)

''قیامت کے دن جب اُن بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے' ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام اور چین سے رہے' حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں''۔

صبر کی آزمائش کے نسبتاً آسان ہونے کے حوالے سے امام احمد بن حنبلm کا واقعہ ہے کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں اُن پر تشدد ہو رہا تھا اور پیٹھ پر کوڑے برس رہے تھے' ایسے کوڑے کہ اگر ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا' لیکن آپ نے اس پر نہ اُف کی اور نہ آنسو بہائے۔ پھر وہ وقت آیا کہ نئے خلیفہ نے تلافی کے لیے آپ کے گھر پر اشرفیوں کا بھرا ہوا تھیلا بھیجا تو آپ رونے لگے اور فرمایا: اے اللہ! میں اس آزمائش کا اہل نہیں ہوں' یہ زیادہ بڑی آزمائش ہے' اس میں کامیاب ہونا زیادہ مشکل ہے۔

البتہ اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ ہم دعا کریں کہ اے اللہ ہمیں بھی صبر کے امتحان میں ڈال دے۔ ایسی آرزو کرنا اپنے آپ کو بہادر ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مشکل آ جائے اور ہم صبر نہ کر سکیں۔ اللہ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی تکلیف آ ہی جائے' کوئی صدمہ پہنچ ہی جائے یا کوئی نقصان ہو ہی جائے تو آدمی اُس پر یہ سوچ کر صبر کرلے کہ اس امتحان کا اجر اللہ کے ہاں زیادہ ہے' اگر میں اس پر صبر کرلوں اور اللہ سے کوئی شکوہ و شکایت نہ کروں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے:

مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَھُوَ یَقُوْلُ : اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الصَّبْرَ فَقَالَ ﷺ :
((قَدْ سَاَلْتَ الْبَلَاءَ فَسَلِ اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ)) (۱۹)

''حضور نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک شخص پر سے ہوا' جو دعا کر رہے تھے: اے اللہ! مجھے صبر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اللہ سے آزمائش مانگی ہے' پس اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔''

مسنون دعا ھے: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ وَحُسْنَ الْیَقِیْنِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ))

''اے اللہ! میں آپ سے دنیا اور آخرت کے لیے سوال کرتا ہوں بخشش' تندرستی' لوگوں کے شرور سے حفاظت اور عمدہ یقین کا۔''

﴿لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ﴾ (تاکہ تم افسوس نہ کرو اُس پر جو شے تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے) کے الفاظ رہنمائی دے رہے ہیں کہ مذکورہ بالا حقائق کا ادراک ہو تو انسان کسی عزیز کے انتقال' کسی مالی نقصان اور کسی موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کا ایسا تاثر نہیں لیتا کہ اپنے بال نوچے' گریبان پھاڑے' سر دیوار سے ٹکرائے' سر پر خاک ڈالے' نوحے یا مرثیے پڑھے' اللہ سے شکوے کرے یا زمانے کو موردِ الزام ٹھہرائے کہ:

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور؟

مذکورہ بالا حقائق کا شعور بندۂ مومن میں تسلیم ورضا کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک عام انسان کی نگاہ صرف اسباب پر ہوتی ہے اور وہ اچھے یا برے حالات کا بہت زیادہ تاثر لیتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ کَانَ یَئُوْسًا﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو اعراض کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے' اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے تو نا امید ہو جاتا ہے۔''

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے' اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔''

نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے:

((اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجَزْ وَاِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَکَذَا وَلٰـکِنْ قُلْ: قَدَرُ اللّٰہِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ' فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ))(۲۰)

''اُس شے کی حرص کرو جو تمہیں فائدہ دے اور اللہ سے مدد طلب کرو اور ہمت نہ ہارو' اور اگر تمہیں کچھ (نقصان) پہنچ جائے تو یہ مت کہو کہ اگر میں ایسا کرلیتا تو ایسا ہوجاتا۔ البتہ یہ کہو کہ اللہ کی تقدیر یہی تھی اور جو اُس نے چاہا کردیا' کیوں کہ 'اگر' کا لفظ (کلمہ لَوْ) شیطان کے کام کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

رضائے حق پہ راضی رہ' یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا خالق' خدا مالک' خدا کا حکم' تو کیسا؟

تسلیم و رضا کی کیفیت کا مولانا محمد علی جوہرؒ کے ان اشعار میں کیا خوب اظہار ہے جو اُنہوں نے اپنی بیٹی کے نام جیل سے لکھے تھے' جب وہ ٹی بی کے مرض میں مبتلا تھی:

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
امتحاں سخت سہی پر دلِ مؤمن ہی وہ کیا
جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اُس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں!

اللہ اور تقدیر پر ایمان انسان کو داخلی امن و سکون دیتا ہے' کیونکہ ایمان کے معنی ہیں امن دینا۔ بندۂ مؤمن کبھی بھی غم کو گلے کا ہار نہیں بناتا اور نہ ہی اُس کی طبیعت اس طرح بجھ کر رہ

جاتی ہے کہ وہ مستقل مایوسی (Depression) کا شکار ہو جائے اور اُس کی کمر ہمت ٹوٹ کر رہ جائے۔

ان آیات میں کسی صدمہ پر فوری اور غیر اختیاری تاثر کی نفی نہیں' بلکہ اُس مستقل تاثر کی نفی ہے جس سے زبان پر شکوہ اور دل میں ربّ سے بدگمانی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر وقتی طور پر انسان مغموم ہو اور آنکھوں سے آنسو بہہ جائیں تو یہ کیفیات ایمان کے منافی نہیں ہیں۔ بخاری و مسلم میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب نبی اکرمﷺ کے نواسے یعنی حضرت زینبؓ کے صاحب زادے پر نزع کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے آپﷺ سے تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپﷺ نے پیغام بھیجا:

((اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))(۲۱)

''اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اُسی کا ہے' اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اُسی کا ہے' الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز واپس لیتا ہے) اور ہر چیز کے لیے اُس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اُس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھا لی جاتی ہے) پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب ہو۔''

حضرت زینب نے قسم دے کر آپﷺ سے درخواست کی کہ آپﷺ ضرور تشریف لائیں۔ آپﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کے ہاں پہنچے۔ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا۔ اُس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ اس حال میں بچے کو دیکھ کر آپﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہh نے حیرت سے عرض کیا: یہ کیا؟ آپﷺ نے فرمایا:

((ھٰذِہٖ رَحْمَۃٌ جَعَلَھَا اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِہٖ' فَاِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَاءَ))(۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ رحمت کے اُس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے' اور اللہ کی رحمت اُن ہی بندوں پر ہو گی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں' وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔"

اسی طرح جب آپ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ السلام) پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اُن کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف h نے عرض کیا: آپ ﷺ کی یہ کیفیت؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا' وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرٰھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))(۲۳)

"آنکھ آنسو بہاتی ہے' دل مغموم ہے' اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) اور اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔"

﴿وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ (اور نہ اتراؤ اُس پر جو تم کو وہ (اللہ) عطا کرے) کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ کسی نعمت کے ملنے پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا ایک فطری عمل ہے اور یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ البتہ ایسے موقع پر خوشی کی وجہ سے پھولے نہ سمانا اور اترانا ایمان کے منافی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان حصولِ نعمت کو اپنی صلاحیت اور کاوشوں کا نتیجہ سمجھتا ہے لہٰذا اُس میں خود پسندی اور اپنی بڑائیاں کرنے کی برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ﴾

(اور اللہ پسند نہیں کرتا خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو)۔

درحقیقت جتنا انسان ایمان سے دور ہو گا اتنا ہی ان غم اور خوشی کی کیفیات میں اعتدال سے ہٹتا چلا جائے گا۔ جتنا انسان حقائق سے قریب تر آئے گا' ایمان سے بہرہ ور ہو گا' معرفتِ ربانی سے حصہ پائے گا' اتنا ہی ان دونوں کیفیات کے مابین فاصلہ کم سے کم تر ہوتا چلا جائے

گا۔ کشادگی ہو یا تنگی' مسرت بخش صورتِ حال ہو یا تکلیف دہ کیفیت' ان سب کے مابین انسان کی معنوی شخصیت ایک چٹان کے مانند کھڑی ہو گی:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ!

اس کے بعد آیت ۲۴ میں فرمایا گیا:

﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

"جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں' اور جس نے رخ پھیر لیا تو بے شک اللہ کسی کا محتاج نہیں اور بذاتِ خود محمود ہے۔"

﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ (جو بخل کرتے ہیں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمانی حقائق سے دور اور محروم ہیں۔ وہ دنیوی زندگی کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہیں' یہاں کے برے حالات کا شدید تاثر لیتے ہیں اور یہاں کی نعمتوں کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتے ہیں۔ سورۃ الھمزۃ میں اس طرح کے کردار کو یوں بیان کیا گیا:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝﴾ (الھمزۃ)

"خرابی ہے ہر طعنہ دینے اور چغلی کھانے والے کے لیے' جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے (اور) خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔"

سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ میں ہم سمجھ چکے ہیں کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا انسان کے دل کو ایمان کے نور سے منور کرتا ہے۔ اس کے برعکس مال روک کر رکھنا انسان کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ منافقین خود تو نیک کاموں سے محروم ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو بھی نیک کاموں سے منع کرتے ہیں۔ اسی لیے اس آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا: ﴿وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ (اور وہ لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں)۔ جو لوگ پیچھے رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں اُنہیں آگے بڑھنے والے کبھی اچھے نہیں لگتے۔اُن کے آگے بڑھ جانے سے پیچھے رہ جانے والوں کی کمزوری زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔لہٰذا وہ دوسرے ساتھیوں کو بھی دین کے لیے قربانی دینے سے روکتے ہیں تاکہ وہ بھی ان ہی کی طرح ہو جائیں۔اگر کوئی اللہ کا بندہ دین کی راہ پر آگے بڑھنا چاہتا ہے اور اُس میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ ابھرتا ہے تو منافقین بظاہر بڑے خیر خواہ بن کر ہمدردی کے انداز میں کہتے ہیں' میاں ہوش کے ناخن لو' کہاں جا رہے ہو' کیا کر رہے ہو' کچھ مستقبل کی فکر کرو' کچھ آئندہ کے لیے بچت کے بارے میں سوچو' بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں تم پر' بچے ابھی چھوٹے ہیں' کل بڑے ہوں گے' ان کی ذمہ داریاں تم نے ادا کرنی ہیں' زیادہ جذباتی نہ ہو' کچھ اپنے خیر و شر اور نفع و نقصان کا خیال کرو!

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (اور جس نے رُخ پھیر لیا تو بے شک اللہ کسی کا محتاج نہیں اور بذاتِ خود محمود ہے)۔ یہ اللہ کی طرف سے بڑا دوٹوک انداز ہے۔اتنی واضح آیات سامنے آنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص دنیوی زندگی اور اسی کی نعمتوں کو اہمیت دے رہا ہے تو وہ کان کھول کر سن لے کہ اللہ کو کسی کی نیکی' ایثار' قربانی اور انفاق کی کوئی احتیاج نہیں۔اللہ کا کوئی کام تمہارے جہاد یا انفاق نہ کرنے سے رکا ہوا نہیں۔ حدیثِ قدسی ہے:

((يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا. يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا. يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ)) (۲۴)

''اے میرے بندو! اس میں شک نہیں کہ اگر تم سب اولین و آخرین جن و انس اپنے میں سے سب سے زیادہ متقی آدمی کے موافق اپنے دل بنالو تو (تم سب کا) یہ تقویٰ میری خدائی میں ذرا اضافہ نہ کر سکے گا۔اے میرے بندو! اگر تم سب اولین و آخرین جن و انس اپنے میں سے سب سے زیادہ گناہ گار آدمی کے دل کے موافق اپنا دل بنالو تو (اُن کا) یہ گناہ گار ہونا میری خدائی میں سے ذرا بھی کمی نہیں کر سکتا۔اے میرے بندو! اگر تم اولین و آخرین جن و انس سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کرو اور میں ہر شخص کا سوال پورا کر دوں تو (سب کا سوال پورا کرنے پر) میرے خزانوں میں صرف اتنی ہی کمی آئے گی جتنا کہ سوئی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالا جائے۔''

بلاشبہ انسان اللہ کا ہر گھڑی محتاج ہے۔یہ اُس کی ضرورت ہے کہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے اللہ کی راہ میں مال اور جان لگائے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ فرمائے۔آمین!

حوالہ جات

۱) سنن الترمذی' ابواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللهﷺ۔
۲) صحيح مسلم' كتاب الزهد والرقائق۔
۳) صحيح البخاری' كتاب المرضیٰ
۴) سنن الترمذی' كتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
۵) سنن الترمذی' كتاب الزهد عن رسول اللهﷺ۔
۶) صحيح البخاری' كتاب الرقاق۔
۷) صحيح البخاری' كتاب المرضیٰ۔ وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب۔
۸) مسند احمد وابو داؤد' كتاب الجنائز۔
۹) صحيح البخاری' كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان۔
۱۰) صحيح مسلم' كتاب الجنائز۔
۱۱) صحيح مسلم' كتاب الايمان۔
۱۲) صحيح البخاری' كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان۔
۱۳) صحيح البخاری' كتاب الجنائز۔ وصحيح مسلم' كتاب الجنائز۔
۱۴) سنن ابی داؤد' كتاب الجنائز۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیات دنیا کے حوادث اور ـــ التفسیر

١٥) صحیح البخاری' کتاب الجنائز۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز۔

١٦) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار۔

١٧) سنن الترمذی' کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ۔

١٨) سنن الترمذی' کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ۔

١٩) مسند احمد۔ وسنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول الله ﷺ۔

٢٠) صحیح مسلم' کتاب القدر۔

٢١) رواه البخاری فی الجنائز وفی المرضیٰ وفی القدر وفی التوحید۔ ورواه المسلم فی الجنائز۔

٢٢) ایضاً۔

٢٣) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' وصحیح مسلم' کتاب الفضائل۔

٢٤) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

اسلام میں قضاء کی اہلیت وتقرری کا طریقہ کار اور پاکستان میں اس کے نفاذ کے رہنما اصول

حافظ عقیل احمد

Abstract

Judiciary is one of the important pillars of any state. It is vital obligation of judiciary to decree correct and timely decisions in the light of existing laws and constitution. It is also conscientious to uphold the supremacy of righteousness and justice. The article under consideration focuses on the appointmnets of the judges and their merit in the light of Islam. To determine the procedure of appointing judges in Islam and its practical implementation in Pakistan have also been discussed in this article. It also includes the interpretation of "Quza", its religious status in the light of Quran and Sunnah and assimilation of righteous Caliphate, opinions of four

jurists and according to research principles. This article also emphasizes the process of creating compatibility with religious needs and varying circumnstances in the context of evolution of civilization and changing age.

لفظ قضاء لغت میں قضیٰ یقضی سے مصدر ہے اصل میں قضای تھا عربی زبان کے ایک اصول کے مطابق یا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغت کی کتابوں میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں لیکن فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا اس کا کثیر الاستعمال مفہوم ہے۔

"قضی بین الخصمین و علیھما ای حکم بینھما وعلیھما" یعنی اس نے فریقین کے درمیان فیصلہ کردیا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کردیا۔ اسی اساسی مفہوم کی مناسبت سے فقہاء نے قضاء کی قانونی اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

کاسانی (م ۵۷۸ھ) نے قضاء کی تعریف یوں کی ہے۔

القضاء ھو الحکم بین الناس بالحق و الحکم بما انزل اللہ عزوجل (۱)

قضاء کا معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

قضاء کا معنی ہے "حکم" (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقضی ربک الاتعبدوا الا ایاہ" (۳)

اور حکم دیا ہے تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔

اور یہ لفظ فراغت کے معنی میں مستعمل ہے۔ "قضیت حاجتی" میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا اور قضیٰ نحبہ کے معنی ہیں "وہ مرگیا" اور ادا کرنے اور پہنچانے کے معنی میں بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقضینا الیہ ذالک الامر" (۴) ہم نے اس تک یہ حکم پہنچادیا "قضیت دینی" میں نے اپنا قرض ادا کردیا اور اس کے معنی بنانا اور مقدر کرنا بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فقضھن سبع سموت فی یومین" اللہ تعالیٰ نے دو دن میں سات آسمانوں کو بنادیا (۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ سید زبیدی نے بھی تقریباً یہی معنی لکھتے ہیں قضاء کا معنی ہے "حکم میں فیصلہ کرنا"(۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"

ولولا کلمۃ سبقت من ربک الی اجل مسمی لقضی بینھم" (۷)

ترجمہ: "اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا" اور حتمی امر کے معانی بھی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ثم قضی اجلا"(۸) حتمی مدت مقرر کردی۔

علامہ ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ اہل حجاز نے کہا کہ لغت میں قاضی اس شخص کو کہتے ہیں جو معاملات میں فیصلہ کرنے والا اور حکم نافذ کرنے والا ہو صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ھذا قضی علیہ محمد" یہ وہ ہے جس کا محمد ﷺ نے فیصلہ فرمایا"۔(۹)

ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) علامہ قاسم سے نقل کرتے ہیں۔ "دینوی معاملات میں جو جھگڑے پیدا ہوں ان کے بارے میں اجتہاد کے مطابق فیصلے کو لازمی قرار دینے کا نام قضاء ہے"(۱۰) پس قضاء کسی مجاز حاکم کے اس فیصلے کو کہتے ہیں جس پر عمل درآمد لازمی ہو قاضی کے پاس اپنے فیصلے کو عملاً نافذ کرنے کے لیے قوت نافذہ ہوتی ہے اور یہ فیصلہ صرف اسی دائرہ کردہ مقدمہ کے بارے میں ہوتا ہر ایک کے لیے نہیں ہوتا۔

قضاء کے تقرر کی شرعی حیثیت

عدل بین الناس اسلامی حکومت کا بنیادی اصول ہے قرآن و سنت کا دیا ہوا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور یہ مملکت کے ادنیٰ آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں نافذ ہے کسی کے لیے بھی امتیازی سلوک کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرماتا ہے کہ وامرت لاعدل بینکم (۱۱) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء) لکھتے ہیں۔

کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں میرا کام یہ نہیں کہ کسی گروہ کے حق میں اور کسی گروہ کے خلاف تعصب

برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر عدل و انصاف کا تعلق (۱۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں۔

اور مجھ پر حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہوں ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور تمام معاملات میں عدل و مساوات قائم کروں۔ (۱۳)

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری یوں رقمطراز ہیں۔

مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر قسم کے ظلم و ستم کا خاتمہ کردوں۔ تمام باطل کا قلع قمع کردوں زندگی کے ہر شعبے میں ایسا نظام رائج کردوں کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں تبلیغ احکام میں، تنفیذ احکام میں، امیر، غریب، شاہ، گدا، رومی و حبشی میں کوئی امتیاز برقرار نہ رکھوں(۱۴)

مفتی محمد شفیع اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں۔

کہ میرے پاس جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آویں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان میں عدل کروں(۱۵)

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

فاحکم بینھم بما انزل اللہ (۱۶)

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے آپ ﷺ کو آزادی دی گئی تھی کہ اگر چاہیں تو ان میں فیصلے کریں یا نہ کریں لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ کو وحی (یعنی اللہ کے نازل کردہ قانون) کے ساتھ ان میں فیصلے کرنا ضروری ہیں۔(۱۷)

حضور ﷺ کے منصب کی ایک اہم ذمہ داری قیام عدل تھا۔ آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق پورا کیا ایک دفعہ بنومخزوم کی ایک خاتون نے چوری کی آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا بعض صحابہؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس عورت کی سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

انما ھلک من کان قبلکم انھم کانو یقیمون الحد علی الوضیع ویترکون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الشریف والذی نفسی بیدہ لو فاطمۃ فعلت ذلک لقطعت یدھا (۱۸)

تم سے پہلی امتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئی کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

علامہ وحید الزمان تیسیر الباری میں لکھتے ہیں۔

اس عورت کا نام فاطمہ تھا جو قبیلہ قریش کے معزز گھرانے بنو مخزوم سے تھی اس عورت نے زیورات چرائے تھے وہ پکڑی گئی تو لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس کی سفارش کون کرسکتا ہے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹیں کسی کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا کہ غریب کو سزا دوں اور معزز کو نہ دوں (۱۹)

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ آیا آپ ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ کرو۔

عن عمر بن العاصؓ جاء رسول اللہ ﷺ خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینھما یا عمرو فقال انت اولیٰ بذلک منی یا رسول اللہ قال وان کان قال فاذا قضیت بینھما فمالی قال ان انت قضیت بینھما فاصبت القضاء فلک عشر حسنات وان انت اجتھدت فاخطاک حسنۃ (۲۰)

''حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنا مقدمہ پیش کیا آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا اے عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو حضرت عمرو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ فیصلہ کرنا میری بجائے آپ ﷺ کا منصب ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہر چند ایسا ہی ہے حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا اگر میں ان کے درمیان فیصلہ کروں تو مجھے کیا اجر ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ان کے درمیان درست فیصلہ کیا تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر خطا ہوئی تو ایک نیکی ملے گی''۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

نصب القاضی فرض لانہ ینصب لاقامۃ امر مفروض وھو القضاء ۔۔۔۔۔۔

ولان نصب الامام الاعظم فرض بلا خلاف بین اہل الحق ۔۔۔۔۔۔ ومعلوم انہ لایمکنہ القیام بما نصب لہ فیحتاج الی نائب یقوم مقامہ فی ذلک وھو القاضی ولھذا کان رسول اللہ یبعث الی الآفاق قضاۃ ۔۔۔۔۔۔ قد سماہ محمد فریضۃ محکمۃ (۲۱)

''قاضی مقرر کرنا فرض ہے اس لئے کہ اس کا تقرر فرض کی ادائیگی کے لیے کیا جاتا ہے اور وہ ہے فیصلہ کرنا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام الاعظم (یعنی خلیفہ) کا تقرر فرض ہے اور اس کے فرض ہونے میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خلیفہ اپنے فرائض منصبی تنہا ادا نہیں کرسکتا اس لیے لازما اس کو نائب کی ضرورت پڑے گی جو اس فرض کی ادائیگی میں اس کا قائم مقام ہو اور یہ نائب قاضی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف علاقوں میں قاضی بھیجا کرتے تھے۔ امام محمد نے قضاء کو ایک محکم فریضہ کا نام دیا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں۔

والقضاء من فروض الکفایۃ لان امر الناس لایستقیم بدونہ فکان واجبا علیھم کالجھاد والامامۃ (۲۲)

''قضاء فرض کفایہ ہے اس لیے کہ اس کے بغیر لوگوں کی حالت درست نہیں ہوسکتی پس یہ واجب ہے جیسا کہ جہاد و امامت واجب ہے''۔

حاصل بحث یہ ہے کہ عدل بین الناس رسول اللہ ﷺ اور خلیفہ کا بنیادی فرض ہے تاکہ کوئی طاقتور کمزور پر ظلم کرکے اس کو اس کے حقوق سے محروم نہ کردے اس چیز کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ انسانی سرشت میں طمع و لالچ اور دوسروں پر غلبہ و تسلط کا جذبہ موجود ہے اور اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے نظام عدل ناگزیر ہے تاکہ ظالموں اور غاصبوں کو سزا دے کر بنی نوع انسان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور جابر لوگوں کو حق و انصاف کی قوت اور اقتدار کے سامنے جھکایا جاسکے۔

قضاء کی اہلیت ازروائے قرآن و حدیث

قاضی کا فرض منصبی عدل و انصاف کرنا ہے قیام عدل کے لیے قاضی کا اہل ہونا ضروری ہے نااہل قاضی انصاف نہیں کرسکتا فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں قاضی کی اہلیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی درج ذیل شرائط بیان کی ہیں۔

1-مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے غیر مسلم قاضی (جج) کا تقرر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے فیصلے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ارشادِ خداوندی ہے۔

ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا (۴۳)

"اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا"۔

لہٰذا کافر کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہوتا۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غیر مسلموں پر غیر مسلم قاضی کا تقرر کیا جاسکتا ہے۔ (۴۴)

2-بالغ اور عاقل ہونا ہر ذمہ داری کے لئے ضروری ہے غلام خود اپنا مختار نہیں دوسروں کا کس طرح حاکم ہوسکتا ہے۔ غلامی کی وجہ سے شہادت دینے کا اہل نہیں تو تنفیذ احکام اور تقرر قضا کا بدرجہ اولیٰ اہل نہ ہوگا۔ یہی حکم مکاتب مدبر اور اس شخص کا ہے جس کا کچھ حصہ غلام ہو (1) کیونکہ یہ سب مکمل آزادی سے محروم ہیں جس طرح غلام کا راوی روایت ہونا درست ہے۔ مفتی بننا بھی درست ہے اگر غلام آزاد ہوجائے تو قاضی بھی بن سکتا ہے۔ (۴۵)

3-امام شافعیؒ امام مالکؒ اور بعض احناف کی رائے میں قاضی کا فقیہ اور مجتہد ہونا شرط ہے۔ عام احناف کے نزدیک قاضی کا عالم اور مجتہد ہونا شرط نہیں بلکہ مستحسن ہے (۴۶) الماوردی کی رائے میں قاضی کے لیے ضروری ہے کہ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو اصول شرع چار ہیں۔ پہلا کتاب اللہ اس کا ایسا عالم ہو کہ تمام آیات ناسخ و منسوخ، محکم متشابہ، عام و خاص، مجمل، مفسر سے واقف ہو دوسرا سنت رسول اللہ ﷺ یعنی آپ کے تمام اقوال و افعال اور ان کے طریق و تواتر و احاد، صحت و فساد کا عالم ہو اور جانتا ہو کہ کون سی حدیث سبب خاص سے متعلق ہے اور کون سی مطلق ہے۔

تیسرا یہ کہ ان مسائل سے واقف ہو جن پر علماء سلف کا اجماع اور جن کا اختلاف ہے تاکہ اجماعی مسائل میں ان کی اتباع کرے اور مختلف فیہ میں اجتہاد سے کام لے۔

4-قیاس سے واقف ہونا کہ ایسی جزئیات کے احکام جن سے شریعت خاموش ہو اصول منصوصہ اور مسائل اجماعیہ سے استنباط کرسکے پس اگر اصول اربعہ سے ناواقف ہو اگر اس کو قاضی مقرر

کردیا گیا خواہ صحیح فیصلے کرے یا غلط اس کا تقرر باطل ہوگا۔ (۴۷)

5-جمہور فقہاء کی رائے میں قاضی کا عالم ہونا ضروری ہے اگر قاضی عالم نہ ہوگا تو قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہ کرسکے گا جس سے عدل قائم نہیں ہوسکے گا اور حکم خداوند پر عمل نہیں ہوسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فاحکم بینهم بما انزل اللہ ولا تتبع اهواءهم عما جاءك من الحق (۴۸)

"پس ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجیے اور جب آپ ﷺ کے پاس حق آگیا تو ان کی خواہشات پر عمل نہ کیجیے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کو قرآن کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا پس قاضی اس وقت قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کرسکے گا جب وہ قرآن و سنت کا عالم ہوگا پس ثابت ہوا کہ قاضی کا قرآن و سنت کا عالم ہونا ضروری ہے۔

قاضی اور حاکم کے فرائض میں مماثلت ہے جس کی بناء پر جمہور فقہاء کے نزدیک جن میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد شامل ہیں عورت کو کسی قسم کے مقدمات میں قاضیہ نہیں بنایا جاسکتا ان کا استدلال ہے۔

الرجال قوامون علی النساء (۴۹) مرد عورتوں پر قوی / حاکم ہیں۔

ارشادِ نبویؐ ہے۔ لن یفلح قوم ولوا امرهم امراة (۵۰)

وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنا معاملہ عورت کے سپرد کرے گی۔

ابن قدامہ نے اس بارے میں ایک دلیل یہ دی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ خلفائے راشدین اور بعد کے امراء میں سے کسی نے بھی عورت کو نہ قاضی بنایا اور نہ کسی علاقے کا حکم بنایا اگر یہ جائز ہوتا تو یہ سارا دور اس سے خالی نہ ہوتا (۵۱)

امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں جن امور میں عورت کی شہادت درست ہے ان میں قضاء بھی درست ہے (۵۲) مگر ابن جریر کہتے ہیں کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء درست ہے (۵۳)

6-الماوردی کی رائے میں قاضی کے لئے عادل ہونا شرط ہے۔ (۵۴)

احناف کے نزدیک قاضی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں فاسق آدمی بھی قاضی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے فیصلے حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہوں تو وہ بھی نافذ ہوں گے تاہم مناسب یہی ہے کہ فاسق آدمی کا تقرر بطور قاضی نہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عدالت قضاء کے لیے شرط ہے۔ (۳۵)

7- قاضی کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے بہتر یہی ہے کہ سلیم الاعضاء ہوتا کہ اپنے منصب کی ذمہ داریاں بہتر طور پر ادا کرسکے۔ قوت سامع اور قوت باصرہ کی سلامتی ہوتا کہ اثبات حقوق کی صحت مدعی اور مدعا علیہ میں فرق، اقرار اور انکار کرنے والوں میں فرق ممکن ہو حق و باطل پوری طرح کھل جائے اور حقدار کو حق پہنچے۔ لہٰذا اندھے کی تقرری باطل ہوگی مگر امام مالکؒ شہادت کی طرح اس کی قضاء کو جائز قرار دیتے ہیں اور بہرے کے متعلق بھی یہی اختلاف ہے۔

البتہ اعضاء کی سلامتی کو امانت میں دخل ہے مگر منصب قضاء میں دخل نہیں مگر رعب اور دبدبہ کے لیے یہی مناسب ہے کہ صحیح الاعضاء، توانا اور تندرست آدمی کو قاضی مقرر کیا جائے (۳۶) بہرا، اندھا، گونگا لنگڑا منصب قضاء کے تقاضے صحیح پورے نہیں کرسکتا اس لیے سلیم الاعضاء آدمی ہی قاضی کے تقرر کا سب سے زیادہ اہل ہے۔ امام بخاریؒ م 256ھ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ م 101ھ کا قول نقل کیا ہے جس میں قاضی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پانچ چیزیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی قاضی سے رہ گئی تو اس کے اندر عیب اور خرابی پیدا ہوجائے گی۔

پہلی چیز یہ ہے کہ فہم و دانش رکھتا ہو معاملہ فہم ہو دوسری یہ کہ نرم مزاج، بردبار اور وسیع القلب ہو تیسری یہ کہ عفیف، پاکدامن اور بلند کردار ہو، چوتھی یہ کہ قوانین کے نفاذ میں مضبوط دل والا ہو اور پانچویں یہ کہ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو (۳۷)

8- اہل حل وعقد اور قضاء کے لئے صاحب بصیرت اور قوت فیصلہ کا مالک ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔　　　واتینہ الحکمۃ وفصل الخطاب (۳۸)

''ہم نے اسے (داؤد علیہ السلام) کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی''۔

9- قاضی کے تقرر میں یہ مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ مقرر کئے جانے والا شخص قضاء کا

طالب نہ ہو۔

من طلب القضاء و استعان علیہ وکل الیہ ومن لم یطلبہ ولم یستعن علیہ انزل اللہ ملکاً یسددہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو کوئی منصب قضاء طلب کرے یا اس طلب پر کسی سے مدد چاہے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور جو قضاء کا طالب نہ ہو اور اس کے حصول کے لیے کوئی سعی و سفارش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیج دیتے ہیں۔ جو اس کے تمام کاموں کی درستی و اصلاح کرتا رہتا ہے۔ (۳۹) امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کے گورنر ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط لکھا کہ امیر کے سوا کوئی شخص مقدمات کی سماعت نہ کرے اس لئے کہ امیر کے ساتھ سیاست کا وہ دبدبہ بھی ہے۔ جس کے خوف سے ظلم پیشہ اور جھوٹے گواہ لرز جاتے ہیں (۴۰)

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق قاضی کو مجتہد ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔ اگر ایک شخص قاضی بنایا گیا اور وہ عادل تھا پھر فاسق ہوگیا (یعنی رشوت، شراب، یا زنا میں ملوث ہوا)۔۔۔۔۔۔۔ تو سلطان پر واجب ہے کہ اسے معزول کرے۔ (۴۱)

اس کے ساتھ ساتھ لوگوں سے برتاؤ اور معاملہ کرنے میں اخلاق جمیلہ اور خصائل حمیدہ سے آراستہ ہونے کو ادب کہتے ہیں اور قاضی کا ادب یہ ہے کہ جس کو شرع نے اچھا کہا ہے عدل کو پھیلانا، ظلم کو دور کرنا، حق سے تجاوز نہ کرنا، حدود شرع کی حفاظت کرنا اور سنت طریقہ پر چلنا۔ (۴۲)

اسلام (خلافت راشدہ) میں قضاء (جج) کی اہلیت اور تقرری کا طریقہ کار

کسی بھی حکومت کے نظم ونسق کا انحصار عہدیداروں کے صحیح انتخاب پر ہوتا ہے شرعی اصطلاح میں ان کو اولوالامر کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ یامرکم ان تودالامنات الی اھلھا (۴۳)

ترجمہ: ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کیا جائے''۔

دور خلافت راشدہ میں عہدیداروں کے انتخاب کا معیار وہی تھا جو دور نبویؐ میں تھا۔ اولوالامر کے انتخاب میں خلفائے راشدین کا اصول یہ تھا کہ جس عہدہ کے لیے کسی شخص کو منتخب کیا جائے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عہدہ کی ذمہ داریاں سرانجام دینے کی انتظامی اور شرعی اہلیت ہو۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں بہترین نظم ونسق کے ساتھ حکومت کو چلایا۔ آپؓ کا سب سے اہم اصول یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص کو جس منصب پر فائز کیا اسے عہدہ پر برقرار رکھا۔

عہد نبوت میں مکہ پر سیدنا عتاب بن اسیدؓ، طائف پر سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر سیدنا مہاجر بن امیہؓ، حضر موت پر سیدنا زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر سیدنا علاء بن الحضرمی کو حاکم و قاضی مامور کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔(۴۴) دور صدیقی میں مدینہ میں عہدہ قضاء سیدنا فاروق اعظمؓ کے پاس تھا آپؓ مدینہ میں قاضی القضاء یعنی چیف جسٹس تھے۔(۴۵) عموماً والی گورنر یا والی کے پاس عہدہ قضاء بھی ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عہدیداروں کے تقرر میں یہ اصول مدنظر رکھا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیضان صحبت وتربیت سے زیادہ بہرمند ہو چنانچہ اس بارے میں سابقون الاولون کو ترجیح دی گئی۔

عہدوں کی تقسیم اور تقرری میں ایک اصول یہ اپنایا کہ کنبہ پروری، اقربا نوازی اور جانبداری سے کلی اجتناب کیا جائے عہدہ صرف اہل شخص کو دیا جائے جب تک کسی عہدہ دار کی کارکردگی کا یقین نہ ہوتا اس وقت تک عارضی تقرر کرتے تھے۔ مستقل تقرری کے لیے بہتر کارکردگی شرط تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید بن ابی سفیان کو جب شام کی امارت دی تو فرمایا میں نے تم کو اس لیے والی بنایا کہ میں تم کو آزماؤں، تمہارا تجربہ کروں اور تم کو ٹریننگ دوں اگر تم نے اچھا کام کیا تو تمہیں اس عہدہ پر برقرار رکھوں گا اور ترقی دوں گا اور اگر تمہارا کام اچھا نہ ہوا تو تمہیں عہدہ سے الگ کردوں گا۔(۴۶)

ملکی نظم ونسق میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جب کسی شخص کو کسی عہدہ پر مامور فرماتے تو اس کے فرائض کی تشریح بھی اس کے سامنے کردیتے اور سلامت روی اور تقویٰ جو دین کی روح ہے اس کی موثر انداز میں تلقین فرماتے چنانچہ جب آپؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ولید بن عقبہ کو عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا ”جلوت وخلوت“ میں حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایک ایسا ذریعہ کردیتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ جو خدا سے

ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے اور اس کا اجر دگنا کردیتا ہے

بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیرخواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط وتفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے۔ لہٰذا سستی اور غفلت کو راہ نہ دینا۔(۴۷)

دور فاروقی میں بڑے بڑے عہدیداروں کا انتخاب مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کسی لائق باز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ سیدنا عمرؓ میں جوہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کرلیتے تھے۔(۴۸)

حضرت عمرؓ کسی عامل کا تقرر کرتے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی جہاں وہ مقرر ہوکر جاتا وہاں پر وہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا(۴۹)

”عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کرادی جاتی تھی واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کرکے بیت المال میں جمع کردیا جاتا تھا“۔(۵۰)

حضرت عمرؓ جن لوگوں کو عامل بنا کر کہیں بھیجتے تھے ان کو خطاب کرکے کہتے

”میں تم کو امت محمد ﷺ پر اس لئے عامل مقرر نہیں کررہا ہوں کہ تم ان کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو“۔(۵۱)

حضرت عمرؓ قضاء کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے صرف انہی لوگوں کو قاضی مقرر کرتے تھے جو علم، تقویٰ اور قوت فیصلہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحب عظمت نہ ہو اس کو قاضی نہ مقرر کیا جائے اس اصول کی وجہ یہ بتائی کہ دولت مند عموماً رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور بااثر کے خلاف فیصلہ کرنے میں رعب ودبدبے کا لحاظ نہ رکھے گا۔(۵۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا ان لوگوں کو قضاء کے تقرر کا پورا اختیار ہوتا تھا تاہم حضرت عمرؓ خود لوگوں کا انتخاب کر کے بھیجتے تھے حضرت عمرؓ اکثر عملی اور ذاتی تجربہ کے بعد قضاء کا انتخاب کرتے تھے قاضی شریح کی تقرری اسی طرح کی گئی تھی۔ (۵۳)

حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں مدینہ میں قضاء کی ذمہ داریاں حضرت علیؓ پوری کرتے تھے۔ جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

قضانا علی و قرانا ابی بن کعب (۵۴)

"میری امت کے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں اور سب سے بڑی قاری ابی بن کعبؓ ہیں"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ہم صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے سیدنا علیؓ ہیں (۵۵) قاضی شریح بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمرؓ نے مجھے قاضی بنایا تو آپؓ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔ (۵۶) سیدنا عثمانؓ نے بھی حضرت عمر فاروق ؓ کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قضاء کی تقرریاں کیں۔ (۵۷)

سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابودرداؓ تھے۔ (۵۸) حضرت سیدنا عثمانؓ بھی قضاء کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہمیشہ اہل علم، متقی اور خوف خدا رکھنے والے اصحاب کو قاضی مقرر فرماتے تھے۔

حضرت علیؓ دور نبویؐ میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔ عہد فاروقی میں بحیثیت قاضی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ اس لیے قضا کے مسائل کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اس بناء پر قضاء کے انتخاب میں ان کا معیار خلفاء ثلاثہ سے بھی کڑا تھا۔

حضرت علیؓ نے اپنے دور میں حضرت شریح کو قاضی برقرار رکھا اور ان کی سالانہ تنخواہ ۵۰۰ درہم تھی۔ (۵۹)

الغرض خلفاء راشدین قضاء کا انتخاب اور تقرر خود کرتے تھے تاہم حضرت عمر فاروقؓ

نے بعض گورنروں کو قاضی کے تقرر کا اختیار دیا تھا دور خلافت راشدہ میں قضاء کی اہلیت کا معیار اور تقرری کا طریق کار وہی تھا۔ جو دور نبویؐ میں تھا۔ خلفاء راشدین صرف انہیں افراد کو قاضی مقرر کرتے تھے جو صاحب علم، متقی، صاحب رائے، معتمد، قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھنے والے بہترین قوت فیصلہ کے مالک اور اہل علم سے مشورہ کرنے والے تھے یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین بھی عدالت میں ایک عام آدمی کی طرح پیش ہوتے تھے اور عدالت سے ہر شخص کو عدل و انصاف ملتا تھا۔

اسلام نے قاضی کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اگرچہ دور حاضر میں درج بالا صفات کے حامل افراد کا ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور اکثر ان صفات کے حامل افراد اس منصب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ایسی صورت میں فقہاء کی رائے ہے کہ قضاء کے لیے اگر تمام مطلوبہ شرائط پر پورے اترنے والے افراد میسر نہ ہوں تو نسبتاً بہتر صفات کے حامل افراد کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی تقاضوں کے پیش نظر قانون کے مطابق فیصلہ کریں۔

عصر حاضر میں حکومت کو چاہیے کہ قضاء کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے ادارے قائم کرے جہاں شرعی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تدریس کا معیاری انتظام ہوتا کہ فارغ التحصیل قضاۃ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کرنے کے اہل ہوں۔

آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں جو مسئلہ پیش آتا اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کا حل بھیج دیتے۔ آنحضرت ﷺ اس کی وضاحت فرماتے جو قانون الٰہی بن جاتا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد انسانیت کو پیش آنے والے مسائل کا حل بذریعہ اجتہاد کیا جاتا ہے۔

دور خلافت راشدہ اسلامی تاریخ کا عہد زریں اور دینی اور فقہی اعتبار سے حجت ہونے کے باوجود زمان و مکان اور ظروف و احوال کے ایک خاص پس منظر کا حامل تھا۔ اس وقت کا معاشرہ خالص قبائلی بنیادوں پر قائم تھا۔ لہٰذا اس دور کا نظام مشاورت بھی لامحالہ اسی کی اساس پر استوار تھا اور کسی گھرانے کے سربراہ یا قبیلے کے شیخ کی رائے معلوم ہو جانے کے بعد اس کے ایک فرد سے رائے لینا سوائے وقت اور وسائل کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا۔ وہاں یہ حقیقت بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم تھی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے نوع انسانی بحیثیت مجموعی سیاسی شعور کے اعتبار سے عہد طفولیت میں تھی اور ابھی سیاسی اداروں کے نشوونما کا عمل جاری تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے انتخاب میں تمام اہل مدینہ نہیں بلکہ مدینہ کے اصحاب حل وعقد نے حصہ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی وفات سے پہلے اپنا جانشین حضرت عمر فاروق ؓ کو نامزد کیا تو اصحاب حل وعقد سے مشورہ لیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی وفات کے بعد مدینہ کے اصحاب حل وعقد نے بیعت کی۔

حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت کا وقت آیا تو بعض صحابہ کرام ؓ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کو مشورہ دیا کہ اپنا جانشین مقرر فرمادیں آپ ؓ نے اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا بلکہ چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی اور فرمایا ان چھ میں سے جس کو چاہو اپنا امیر المومنین منتخب کرلو چنانچہ مشاورت کے بعد حضرت عثمان ؓ امیر المومنین منتخب ہوئے۔ خلیفہ چہارم حضرت علی ؓ کا انتخاب ہنگامی طور پر ہوا۔ ان چاروں خلفائے راشدین کے انتخاب میں جو چیز مشترک تھی وہ یہ کہ ان کا الیکٹورل کالج مدینہ کے اصحاب حل وعقد تھے۔ ان تمام آثار سے مذہبی اور خاندانی ملوکیت کی نفی ہوتی ہے۔ اس لیے عصر حاضر میں تقرر قضاء کے لیے ان سنہری اصولوں پر عمل ہونا چاہیے۔

لیکن عصر حاضر میں کسی اسلامی مملکت کے سربراہ یا اسلامی حکومت کے سربراہ کا انتخاب کرنا ہو تو اس انتخاب میں مملکت کے تمام افراد کا بالواسطہ یا براہ راست حصہ لینا لازم ہے کیونکہ ایک تو ارتقاء تمدن کی وجہ سے ہر شخص میں اتنا سیاسی شعور ہے کہ سربراہ مملکت/سربراہ حکومت کے انتخاب میں اپنی رائے دے سکے۔ دوسرا یہ کہ بعض فقہائے کے مطابق تمام مسلمانوں کے قانونی حقوق برابر ہیں۔

آج دنیا میں کئی سیاسی نظام رائج ہیں، وحدانی صدارتی، وفاقی صدارتی (جیسے امریکہ میں ہے) کنفیڈرل صدارتی، وحدانی، پارلیمانی، وفاقی پارلیمانی اور کنفیڈرل پارلیمانی یہ چھ کے چھ جائز ہیں۔ تاہم عصر حاضر میں ان کو روح اسلام کے مطابق ڈھالنا ہوگا اس کے لیے اجتہاد اور قیاس کرنا ہوگا۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل ہائی کورٹس کے شریعت بینچ کے جج صاحبان

وکلاء، یونیورسٹی وکالجز اور معروف دینی مدارس کے ماہر اساتذہ کی بصیرت افروز آراء سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تبدیلی زمانہ اور شرعی احکامات کی تعمیل

قرآن مجید نوع انسان کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کے لیے قیامت تک کے تمام ادوار کے بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان قرآن مجید میں غور وفکر کرکے ان مسائل کا حل تلاش کرے ارشاد ربانی ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون (۶۰)

"اور (قرآن مجید) ہم نے آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی وضاحت فرمادیں جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے تاکہ وہ فکر کریں"۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ غور وفکر کرنا لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ غور وفکر ہی کے ذریعے انسانی مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ تاہم جن مسائل کے متعلق قرآن اور احادیث میں کوئی حکم نہیں ان کے حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد اور قیاس کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رکھا تاکہ حالات کے مطابق مجتہدین ان مسائل کا حل تلاش کرسکیں۔ حالات اور زمانہ کی رعایت سے شرعی احکام کے نفاذ میں تبدیلی کی مثالیں نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین سے بھی ملتی ہیں۔

(الف) خیبر فتح ہوا تو اس کی پوری زمین اللہ کی ملک قرار دی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تقسیم فرمائی:

i۔ کچھ حصہ مجاہدین کو دیا گیا۔

ii۔ بقیہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا گیا اور پیداوار میں حکومت اور اصل باشندوں کو شریک کیا گیا (۶۱)

(ب) غزوہ بنو نضیر کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جمع فرمایا اور ترغیب دی کہ مہاجرین غریب ہیں انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مال پورا انہیں تقسیم فرمادیں اور ہمارے اموال میں سے بھی جو چاہیں انہیں دے دیں۔ (۶۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) بنو قریظہ کی جو زمین خلافت کے زیر انتظام تھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں۔(۶۳)

(د) مکہ فتح ہوا تو تمام زمین اللہ کی ملکیت قرار دی گئی مگر انہیں اہل مکہ کے پاس رہنے دیا گیا۔(۶۴)

دور نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کی درج بالا مثالوں میں سزاؤں اور احکام میں تبدیلی حالات اور تبدیلی زمانہ کی وجہ سے تھی۔ اسلامی فقہ کا مسلمہ اصول ہے کہ علت کے بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔ نیچرل سائنسز میں ترقی اور ارتقاء تمدن کی بدولت انسانوں کو ہر روز نئے مسائل درپیش ہیں۔ لیکن اسلام نے بنی نوع انسان کو پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد اور قیاس کا دروازہ تا قیامت کھلا رکھا تاکہ اہل حل وعقد حالات اور عصری تقاضوں کے پیش نظر روح اسلام اور روح عصر کے عین مطابق آنے والے مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔

خلاصہ تحقیق

-1 عصر حاضر میں پاکستان میں ججز (قضاۃ) کی تقرری کرتے وقت عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صاحب کردار صاحب حیثیت اور معزز افراد کا تقرر بذریعہ لازمی امتحانات و انٹرویو کیا جائے تاکہ قضاۃ عدالتی طریق کار میں غفلت، کوتاہی، سست روی اور رشوت ستانی کے مرتکب نہ ہوں بلکہ بغیر کسی سیاسی، معاشرتی اور معاشی دباؤ کے عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔

-2 خلافت راشدہ میں قضاۃ کی تقرری کرتے وقت ان کے مال و اسباب کی فہرست تیار کی جاتی تھی اور یہ فہرست امیر المومنین کے پاس محفوظ رہتی تھی دوران ملازمت یا ملازمت کے بعد قضاۃ کے اثاثہ جات کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ عصر حاضر میں پاکستان میں قضاۃ کی تقرری کے وقت اثاثہ جات کی تفصیل لی جائے اور دوران ملازمت اور ریٹائرڈ منٹ کے بعد قضاۃ کے اثاثہ جات کی باقاعدہ پڑتال کی جائے۔

-3 عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں قضاء کا تقرر خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر ہوتا تھا کسی قسم کی سیاسی مداخلت اقربا پروری اور کوٹہ سسٹم نہ تھا اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان میں بھی سیاسی مداخلت اور اقربا پروری کا خاتمہ ہونا چاہیے ماتحت عدالتوں کے ججز کی طرح اعلیٰ

عدالتوں کے جج صاحبان انتخاب (سلیکشن) کے لیے بھی مقابلہ کے امتحان کا انعقاد کیا جائے تاکہ اہل اور باصلاحیت افراد ہی اعلیٰ عدالتوں میں ججز (قضاۃ) عہدوں پر فائز ہو سکیں۔ کوٹہ سسٹم مباحات میں سے ہے بوقت ضرورت اس کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔

-4 حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک دفعہ یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ قضاۃ کو خصوصی ہدایات جاری کریں۔ یہ ہدایات امیر المومنین نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجی تھیں۔ اس طرز پر دور حاضر میں سربراہ مملکت یا چیف جسٹس آف پاکستان کی طرف سے نئے ججز کی تربیت کے لیے خصوصی ورکشاپ کا انعقاد کیا جائے۔ ان ورکشاپس میں سینئر یا ریٹائرڈ ججز تربیت دیں تاکہ ان کے زندگی بھر کے تجربات سے استفادہ کیا جا سکے۔

-5 عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں عدلیہ مکمل طور پر آزاد تھی حتیٰ کہ امیر المومنین کو بھی کئی بار بحیثیت مدعا علیہ پیش ہونا پڑا وطن عزیز پاکستان میں بھی اسلامی ریاست کی پاسداری اور آئین کی بالادستی قائم کرنے کے لیے عدلیہ کو اسی طرز پر مکمل آزادی دی جانی چاہیے۔

-6 دور نبویؐ اور خلافت راشدہ میں قضاۃ کے تقرر کے لیے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا پاکستان کے آئین و قضاۃ کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کی جائے تاہم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کوٹہ مختص کیا جانا چاہیے۔

-7 اسلام کے سنہری دور خلافت راشدہ میں کسی متنازعہ شخص کو قاضی مقرر نہیں کیا گیا۔ عصر حاضر میں پاکستان میں بھی قضاء کی تقرری کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے موجودہ/سابق رکن یا عہدیدار نہ ہوں کیونکہ سیاسی وابستگیاں عدل و انصاف کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہو سکتی ہیں۔

اگرچہ عہد رسالت میں عہدہ طلب کرنے والوں کو کوئی منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ تاہم عصر حاضر میں اوپن میرٹ کی بنیاد پر ججز کی تقرری کے لیے باصلاحیت امیدوار خود عہدہ طلب کرنے کے لیے درخواست جمع کرواتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے بھی درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔ عرف عام اور استحسان کی رو سے یہ طرز عمل جائز سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس پر اجماع سکوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو چکا۔ کیونکہ معروف دینی حلقوں حتیٰ کہ سواد اعظم بھی اس ضمن میں خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ خالصتاً عقلی نقطۂ نظر سے بھی ایسا جائز ہے کیونکہ ارتقائے تمدن، عصری تقاضوں اور جدید تناظر کے اعتبار سے امیدواروں کا عہدوں کے لیے خود کو پیش کرنا اتنا عام شفاف اور واضح ہے کہ ایک طرف قیام عدل کے لیے مروجہ طریقہ سے معاونت حاصل کی جاتی ہے اور دوسری جانب روح عصر اور روح دین میں مطابقت قائم ہوتی ہے۔ اس کے بہت سے شواہد خیر القرون میں اولیات عمر کے حوالے سے ملتے ہیں۔ مثلاً احادیث کی رو سے ام ولد کی خرید و فروخت جائز تھی۔ لیکن حضرت عمر نے وسیع تر مصلحتوں اور مقاصد کے حصول کے لیے اس پر پابندی عائد کر دی یہی حال بیس تراویحوں پر اجماع جمع تدوین قرآن اور مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ سے الگ کرنے کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی نمایاں مثال عزیز مصر کے سامنے جناب یوسف علیہ السلام کا اپنی خدمات پیش کرنے کا واقعہ ہے۔

8- قضاء خالصتاً ایک تکنیکی اور فنی شعبہ بھی ہے۔ اس لیے ججز کے انتخاب میں ان کی فنی مہارت، تجربہ اور ان کے قائم کردہ قانونی نظائر کا بھی لحاظ رکھنا جدید حالات کا تقاضا ہے اور یہی دین اسلام کی تعلیم بھی ہے۔

9- ججز کے تقرر کے بعد ان کی سالانہ کارکردگی رپورٹ کو مسلسل بہتر بنانے کے لیے ان کے سروس رولز پر بھی پانچ سالہ عرصہ میں نظر ثانی ہونی چاہیے۔ تاکہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے مطابق سروس رولز کو بہتر بنایا جاسکے۔

10- اگرچہ خلافت راشدہ میں ججز کے لیے دربان مقرر کرنا منع تھا تاہم موجودہ دور میں سکیورٹی کے مسائل کی وجہ سے ججز کو مکمل قانونی تحفظ دیا جاتا ہے۔ تاہم ان کی سکیورٹی کو مزید بہتر اور محفوظ بنانے کے لیے تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ سکیورٹی کے انتظامات بھی مزید بہتر بنائے جائیں۔ تاکہ سیالکوٹ جیسے واقعات کا اعادہ نہ ہوسکے۔ جہاں خطرناک ملزموں کے مقدمہ کی سماعت کے لیے ججز حضرات جیل میں عدالت لگائے ہوئے تھے کہ ان خطرناک مجرموں نے ان بے گناہ اور معصوم ججوں کو قتل کر دیا تھا۔

حوالہ جات

(۱) کاسانی، ابوبکر بن مسعود حنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ قاہرہ، 1982، ج ۷، ۹۲
(۲) النباہی، ابوالحسن، تاریخ القضاۃ الاندلس دار الکاتب مصر قاہرہ، 1948، ص 15
(۳) بنی اسرائیل، ۳۴
(۴) الحجر، ۲۶
(۵) حم سجدہ ۱۲
(۶) زبیدی سید مرتضیٰ حسینی حنفی، تاج العروس شرح القاموس، مطبعہ المطبعہ الخیریہ قاہرہ 1974، ج ۱۰، ص ۴۹۲
(۷) الشوریٰ ۱۳
(۸) الانعام ۴
(۹) ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت 1956، جلد ۱۵، ص ۱۸۶
(۱۰) ابن عابدین شامی، حاشیہ ابن عابدین، دار الکتب قاہرہ، 1982، ج ۵، ص ۳۵۲
(۱۱) الشوریٰ ۱۵
(۱۲) مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع جون ۲۰۰۱، ج ۴، ص ۴۹۳ تا ۴۹۳
(۱۳) شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، سن ندارد، ص ۶۲۸
(۱۴) الازہری پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1997، ج ۴، ص ۳۷۱
(۱۵) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ادارہ المعارف کراچی، طبع ۲۰۰۱، ج ۷، ص ۶۸۰
(۱۶) المائدہ ۴۸
(۱۷) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مقبول اکیڈمی لاہور، طبع ۱۹۸۸، جلد اول، ص ۲۳۵
(۱۸) بخاری کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، حدیث نمبر ۱۲۶۷، مکتبہ رحمانیہ لاہور 1998
(۱۹) وحید الزمان، تیسیر الباری ترجمہ و شرح صحیح بخاری، تاج کمپنی لاہور، س ن کتاب الحدود، جلد ۴، ص ۵۳۹
(۲۰) احمد بن حنبل، المسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، 1985، جلد ۲، ص ۲۰۵
(۲۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۴
(۲۲) ابن قدامہ، المغنی طبع مصر ۱۹۹۰، ج ۱۰، ص ۳۲
(۲۳) النساء، ۱۳۱
(۲۴) الماوردی، الاحکام السلطانیہ طبع مصر 1988، ص ۱۱۳
(۲۵) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۷، ص ۴
(۲۶) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۷) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹ تا ۱۲۲

(۲۸) المائدہ، ۴۸

(۲۹) النساء، ۳۴

(۳۰) بخاری، صحیح بخاری، کتاب الصلح، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1992، جلد سوم، ص 188

(۳۱) ابن قدامہ، المغنی، لابن قدامہ، ج ۲، ص ۳۶

(۳۲) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

(۳۳) ایضاً ایضاً

(۳۴) ایضاً ایضاً

(۳۵) کاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۳۸، ۳۶

(۳۶) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۹

(۳۷) بخاری، کتاب الاحکام، جلد دوم، ص 180

(۳۸) ص ۴۰

(۳۹) ابی داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، احسان پبلشرز لاہور ۱۹۸۷ء، جلد دوم، ص 180

(۴۰) السرخسی، المبسوط، دار الفکر بیروت، س ن، جلد ۱۶، ص ۴۲

(۴۱) ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمن، سیرت عمر ابن خطاب، دار الکتب مصر 1988، ص 132

(۴۲) حضرت ابوبکر تاریخ و سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین طبع مصر 1988، ص 40

(۴۳) النساء نمبر 58

(۴۴) ابن جریر، تاریخ طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف قاہرہ س ن، جلد ۴، ص ۶۱۷

(۴۵) سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، نفیس اکیڈمی کراچی، 1983، ص 125

(۴۶) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار القلم بیروت، 1998، جلد ۲، ص ۳۵

(۴۷) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد ۲، ص ۳۶

(۴۸) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد ۱، ص ۴۷۸

(۴۹) ابو یوسف، کتاب الخراج، مکتبہ دانیال اردو بازار لاہور، 1992، ص 232

(۵۰) البلاذری، فتوح البلدان، دار المعارف قاہرہ، 1957، ص ۴۴۶

(۵۱) ابن جریر، تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۲۷۳۔

(۵۲) شبلی، الفاروق، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1992، ص ۳۰۲

(۵۳) شبلی، الفاروق، ص ۳۰۲

(۵۴) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ الاسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور 1985، ج ۳، ص ۱۷۵

(۵۵) ابن سعد، طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت 1972، ج ۳، ص ۱۰۲

(۵۶) حاکم، مستدرک حاکم، المطبع امیریہ، قاہرہ 1978، ج ۳، ص ۱۳۵

(۵۷) ابن جریر، تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۴۴۶

(۵۸) ابن اثیر، تاریخ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۲۰

(۵۹) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، جلد دوم، ص 172

(۶۰) النحل، ۴۴

(۶۱) ابن قیم، زاد المعاد، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۳، جلد ۲، ص ۱۲۸

(۶۲) ایضاً ایضاً جلد ۲، ص ۷۱

(۶۳) ایضاً ایضاً جلد ۲، ص ۷۱

(۶۴) تقی امینی، احکام شرعیہ میں حالات اور زمانہ کی رعایت، فیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور، س ن، ص ۱۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

تفکر و تدبر کا اسلامی تصور

حافظ محمد اویس

Abstract

Theories with long lasting slightness can change the waves of shore, can revolute the nations and states can change the societies it can succeed the great victories.

But he dimension of the combine thinking should be righteous which also needs the centripetal force other wise it will be scattered and hence can not fight with the hindrances.

Now days we are centered with materialist world which is not righter one.

Rights thinking can enlighten your hart this thesis is elaborating rights thinking its centralized force, advantages and opportunities, methods and resources.

So that such a "Momin" can prolong his thinking in the way of almighty, because only to be born in a house of a Muslim is not a sign of true Muslim,.

تفکر و تدبر قوموں کی تقدیر بدلنے کا ضامن ہے۔ جن قوموں کا شعار تفکر و تدبر ہو وہ کبھی ڈگمگایا نہیں کرتیں۔ تفکر و تدبر کو سمجھنے کیلئے مناسب ہوگا کہ ہم اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے واقفیت حاصل کریں تفکر و تدبر دو ہم معنی و مترادف الفاظ ہیں۔ تاہم ان کے معنی و مفاہیم کو ہم الگ الگ بیان کریں گے۔

تفکر کا لغوی مفہوم

"تفکُّر" فِکر سے بابِ تفعّل ہے۔ اَلفِکرُ اور اَلفکرُ کا معنی ہے:

"إعمالُ الخاطِرِ فِی الشَّیْءِ" (۱)

یعنی "کسی چیز کے اندر کھٹکا یا تردد پیدا ہونا"

فکر دراصل "فرک" سے مقلوب ہے جس کا معنی ملنا، رگڑنا اور کھرچنا ہے۔ کیونکہ جس معنی میں یہ مستعمل ہے وہ "فرک الامور والبحث" ہے۔ یعنی طلب حقیقت و تلاش معرفت۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الفکر" دراصل "الفرک" تھا۔ جو کثرت استعمال سے "الفکر" بن گیا۔ اور "الفرک" کے معنی ہیں:

"دَلْکُ الشَّیْءِ حتی ینقطع قشره عن لبه کا لجوْزِ". (۲)

یعنی "کسی شی کو اتنا رگڑنا کہ اس کا چھلکا اس کے گودے سے الگ ہو جائے جیسے اخروٹ۔"

تفکر کا اصطلاحی مفہوم:

شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

"تصرف القلب فی معانی الأشیاء لدرک المطلوب". (۳)

یعنی "مطلوب کو پانے کیلئے دل کو اشیاء کی حقیقت و معنی کی تلاش میں استعمال کرنا۔"

فکر کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

"سِراجُ القلب یریٰ به خیره وشرّه ومنافعه و مضارّه وکل قلب لا تفکر فیه فهو فی ظلمات یتخبط". (۴)

یعنی "فکر دل کا چراغ ہے جس سے اس کیلئے بھلائی و شر اور منافع و نقصان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ہر وہ دل جس میں فکر کی عادت نہ ہو وہ اندھیروں میں ہے جو اس کو دیوانہ

© rasailojaraid.com